شرافت کی اساس

سلمٰی غزل



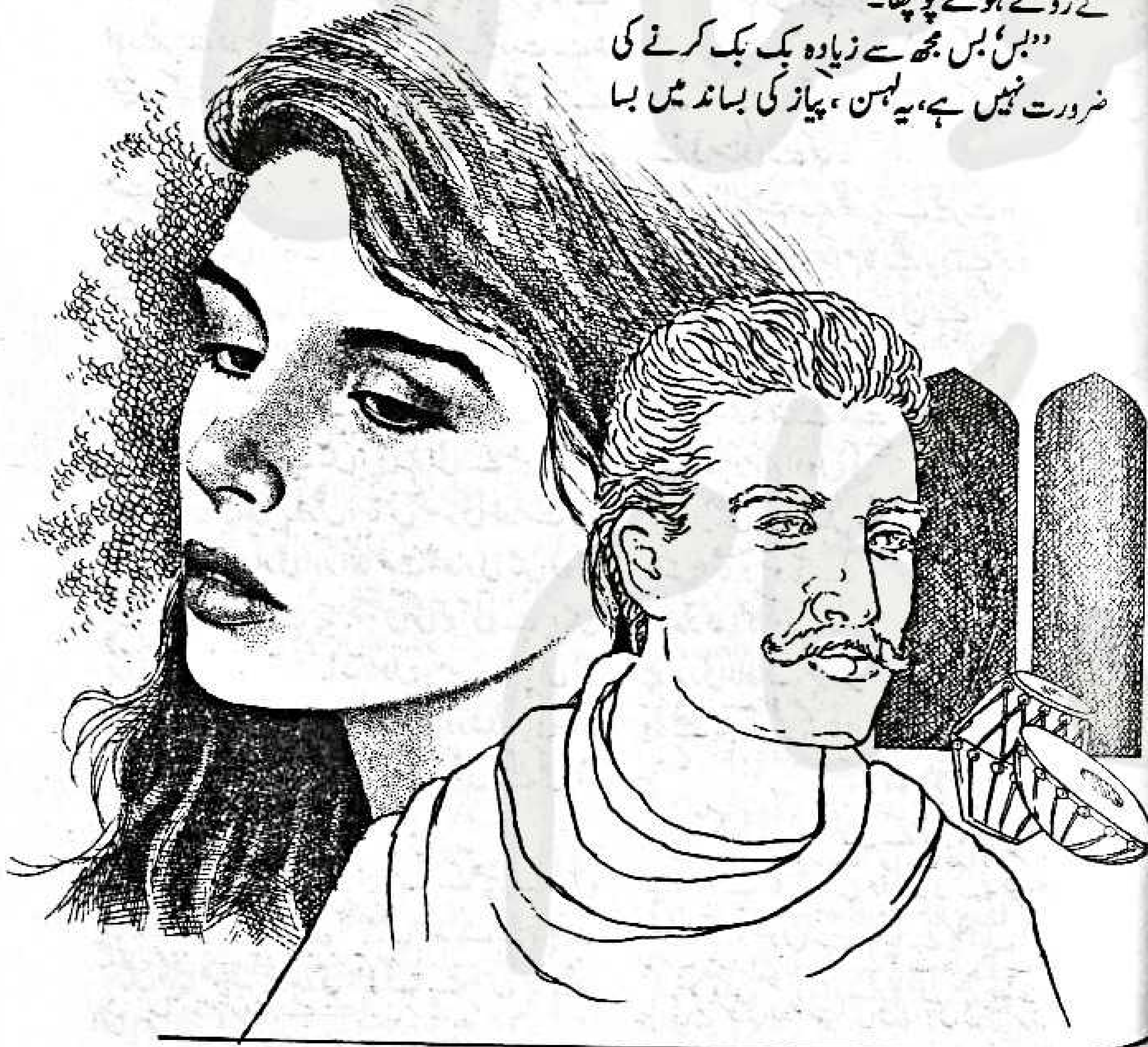
شرافت کی اساس

سلمیٰ غزل

''میں نے تم سے اجازت نہیں مانگی، تمہیں اطلاع دی ہے۔'' چوہدری الطاف نے بگڑ کر کہا۔

''مگر مجھے اتنا تو بتادیں میری وفاؤں میں، میری خدمت گزاری میں کہاں کمی رہ گئی جو آپ نے اتنا بڑا فیصلہ......وہ بھی اچانک سنا دیا......؟'' زرینہ نے روتے ہوئے پوچھا۔

''بس' بس مجھ سے زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ لہسن، پیاز کی بساند میں بسا



تمہارا وجود اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا...... ہونہہ اور س لو خدمت کرنے کے لیے نوکروں کی تو کوئی کمی نہیں، بچے پیدا کرنے کے علاوہ تم نے اور کیا ہی کیا ہے......؟'' چوہدری الطاف نے منہ بنا کر کہا تو اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔

''واہ، واہ چوہدری صاحب واہ...... آپ مردوں کا نہ کوئی جواب ہے نہ حساب وہ آپ کا شہر والا دوست چوہدری اکمل جس کی بیوی ایک این جی او چلاتی ہے اس کے بارے میں کیسے منہ بھر بھر کے غیبت کرتے تھے آپ...... ''ایسی بنی ٹھنی رہتی ہے جیسے کسی فیشن شو میں شریک ہونے جارہی ہو یا ماڈلنگ کا ارادہ ہو...... نوکروں پر پورا گھر چلتا ہے اور میرے دوست چوہدری اکمل کو نہ غیرت ہے نہ حمیت کہ بیوی کس طرح ہرایرے غیرے نتھو خیرے سے ہنس، ہنس کر باتیں کرتی ہے۔ بچوں کی اپنی الگ مصروفیات...... میں کبھی جاؤں تو مجھے چوہدری اکمل کا گھر، گھر نہیں ریسٹ ہاؤس لگتا ہے۔ ماں باپ کی حیثیت بھی نوکروں کی سی ہے۔ بہو بیٹا تو پوچھتے ہی نہیں انہیں، بے چارے سارا دن اکیلے دیواروں کو تکتے رہتے ہیں۔'' وہ لمحہ بھر سانس لینے کو رکی۔

''اور آج جب میں اپنی جوانی کے سنہری اور قیمتی دن بچوں کی پرورش، ساس سسر کی خدمت اور آپ کی ناز برداری اور اطاعت شعاری میں رول چکی تو آپ کو مجھ سے پیاز، لہسن کی بو آتی ہے؟ میں شمع محفل نہیں شمع خانہ ہوں، میرے پاس نہ طوائفوں کی ادائیں ہیں نہ عشوہ و غمزہ اور نہ دلربائی کے انداز تو میں بھلا اب آپ کو کیوں اچھی لگنے لگی؟'' زرینہ کا... لہجہ حد درجہ تلخ ہو گیا۔

''چٹاخ!'' چوہدری الطاف کے تھپڑ نے اس کی بولتی بند کر دی اس کی آنکھیں صدمے سے پھٹ گئیں پہلی مرتبہ چوہدری الطاف نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا۔ تھپڑ کی تکلیف سے زیادہ احساسِ ذلت نے اسے لڑکھڑا دیا تب ہی شور کی آواز سن کر زرینہ کے ساس ..... سسر اندر آگئے...... اور صورتِ حال بھانپ کر روتی ہوئی بہو کو گلے لگاتے ہوئے بیٹے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔

''پتر تیرے کرتوتوں سے تو ہم اچھی طرح آگاہ ہیں مگر ہم یہ سب اس لیے برداشت کرتے رہے کہ تو یہ ساری عیاشیاں باہر ہی باہر کرتا تھا اور یہ گند گھر تک نہیں آئی تھی مگر اب تیری اتنی جرأت ہو گئی کہ تو باہر کی گند گھر لانے کی سوچ رہا ہے، ہماری خاندانی اور شریف بہو پر سوکن لا رہا ہے وہ بھی ایک (گالی) ....''

''ابا جی آپ بیچ میں نہ ہی بولیں تو اچھا ہے، میں مرد ہوں مجھے دوسری شادی کرنے کا حق حاصل ہے۔'' بجائے شرمندہ ہونے کے چوہدری الطاف نے ڈھٹائی سے کہا۔

''لعنت ہے تجھ پر بے غیرت، اپنے مطلب کا ہر حق اور فرمان اسلام کا تجھے یاد ہے مگر تو نے کبھی نماز پڑھی......؟ جو دین کا ستون ہے، کبھی روزہ رکھا جو نفس کو مارتا ہے اور حج اور زکوٰۃ سے تیرا کب واسطہ......؟ ارے کمبخت کیوں اسلام کی آڑ لے کر اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کر رہا ہے۔ کیا کمی ہے زرینہ میں؟ نیک نہیں؟ وفادار نہیں؟ اطاعت شعار نہیں اتنا تو سوچ لے تیرے تین بچوں کی ماں ہے، کچھ تو خدا کا خوف کر......'' اماں نے بھی گھر کا...... مگر چوہدری الطاف پر عشق کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا وہ غصے میں تن فن کرتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کنول نے اسکول کے بعد ماں کی مخالفت مول لیتے ہوئے کالج میں داخلہ تو لے لیا تھا مگر اپنی اصلیت دوستوں سے چھپانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ خود پر مغرور ہونے کا خول چڑھا لے اور اسے داخلے کی اجازت بھی اس شرط پر ملی تھی کہ جب بھی

ہاں چاہے گی وہ اس کے اشاروں پر ناچے گی.... بدقسمتی سے کنول نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ ذہنی طور پر اسے قبول نہیں کر سکی تھی۔ اسے ماں کے پیار میں بناوٹ اور تشنگی محسوس ہوتی...... اگر وہاں پر موجود بابا اس کے ہمنوا ہوتے تو کب کے اس کے پیروں میں گھنگرو بندھ جاتے...... بابا یہاں کے کارندے تھے مگر اسے اولاد کی طرح چاہتے تھے۔ وہ کالج کی کسی لڑکی سے بھی بے تکلف نہ تھی اور لڑکیاں منہ بنا کر اکثر کہتیں۔

''خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔'' کیونکہ وہ تھی ہی اتنی خوب صورت، ساڑھے پانچ فٹ سے نکلتا ہوا قد سرخ و سفید چہرے پر بھرے بھرے گال، ستواں ناک اور سیاہ کشادہ آنکھوں پر سایہ فگن دراز پلکیں...... اپنی سنجیدگی، متانت اور حد درجہ خوب صورتی کی وجہ سے وہ مرکزِ نگاہ تھی۔ کالج کی اساتذہ بھی اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتیں کیونکہ اس کا تعلیمی ریکارڈ بھی شاندار تھا اور آندھی آئے یا طوفان وہ چھٹی نہیں کرتی تھی لیکن وریشہ وہ واحد لڑکی تھی جس کے خلوص اور محبت نے اسے دوست بنانے پر مجبور کر دیا...... مگر اس کے اصرار کے باوجود نہ وہ کبھی اس کے گھر گئی تھی نہ کبھی اسے اپنے گھر بلایا تھا مگر جب ایک دن اس نے دوستی ختم کرنے کی دھمکی بڑے پیار سے دی تو وہ مجبور ہو گئی۔ وہاں کا ماحول دیکھ کر اسے لگا ایسے ہی گھر کا تصور اس کے ذہن میں تھا۔ وریشہ کی امی اس کے خیالات کے عین مطابق تھیں۔ کاش اس کی ماں بھی اسی قدر مقدس اور پاکیزہ ہوتی...... اس نے دکھ سے سوچا۔ تخت پر نماز پڑھتی ہوئی وریشہ کی امی اسے کسی اور ہی جہان کی مخلوق لگیں...... سلام پھیر کر انہوں نے اس کے سر پر بوسہ دیا پھر اس پر دم کرتے ہوئے بولیں۔

''بیٹا سر ڈھانپ کر رکھا کرو، شریف لڑکیاں سر کھلا نہیں رکھتیں......''

''شریف لڑکیاں......؟'' کنول کا دل چاہا چیخیں مار مار کر روئے پھر وریشہ کے بھائی کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ اس نے وریشہ کے بھائی کو اس آئس کریم پارلر پر بیٹھا دیکھا تھا جہاں سے اکثر وہ آئس کریم لینے رکتی تھی۔ اس کو دیکھ کر وہ احتراماً کھڑا ضرور ہو جایا کرتا تھا مگر اس کی نگاہیں ہمیشہ جھکی رہتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ بغیر کچھ کہے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ کنول کو گھبراہٹ ہو رہی تھی کیونکہ وریشہ کی اماں ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھیں ان کا انداز کھویا، کھویا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ یہ نگاہیں اس کے اندر تک جھانکنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

''بیٹی اپنے گھر کا پتا بتاؤ۔ ہم تمہارے ماں باپ سے ملنا چاہتے ہیں......'' کنول کا دل چاہ رہا تھا دھاڑیں مار مار کر روئے وہ بچی نہیں تھی ماں، باپ سے ملنے کی وجہ وہ سمجھتی تھی مگر وہ اس قابل کہاں تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر رو رہا تھا وہ اس حیثیت میں کہاں تھی کہ اس شریف گھرانے کی بہو بنتی...... اس کی اصلیت جانتے ہی وہ اس پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی وہ واپسی کی ضد کرنے لگی۔

''وریشہ میں گھر بتا کر نہیں آئی ہوں مجھے جانے دو، شام ہو رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے بیٹا تمہارے ماں، باپ پریشان ہو رہے ہوں گے تمہیں شہروز چھوڑ آئے گا۔''

''نہیں آنٹی، میں چلی جاؤں گی......'' وہ منمنائی۔

''نہیں، نہیں اتنی شام کو جوان لڑکی کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں......'' شہروز کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کا دل رو رہا تھا۔ وریشہ آگے بیٹھی ہوئی تھی۔

'' مس کنول آپ بلاوجہ پریشان اور ہراساں ہو رہی ہیں، میں آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں جبکہ وریشہ کا آپ کو گھر لانے کا مقصد بھی یہی تھا

کہ اماں آپ کو دیکھ لیں......'' کنول کا دل دھک سے ہوگیا...... اس کا مطلب ہے کل کالج میں ہر طرف اس کی رسوائی کے چرچے ہوں گے وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔

''میں آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور میرے گھر والے بھی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ آپ لائقِ تحسین ہیں کہ کوٹھوں کی دلالی میں آپ کا دامن صاف رہا...... کنول کیچڑ میں کھل کر بھی کنول کا پھول ہی رہتا ہے، آپ پریشان نہ ہوں میری ماں اور بہن دونوں میری ہمنوا ہیں۔ ہم اس پھول کو کیچڑ میں رُلنے نہیں دیں گے۔''

کنول کو لگ رہا تھا گویا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

''آپ پلیز گاڑی یہیں روک لیں، یہ جگہ آپ کے اور وریشہ کے شایانِ شان نہیں...... پلیز آپ دونوں یہاں سے جلدی چلے جائیں۔''

☆☆☆

جب سے شہروز کی ماں، بہن کو اس کی اصلیت پتا چلی تھی کنول نے تعلیم ادھوری چھوڑ کر خود کو وسیع و عریض گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں قید کرلیا تھا اور چنبیلی بائی اس کے گھر میں رہنے سے بہت خوش تھی؛ زندگی میں پہلی بار تماشائیوں کے سامنے گاتے ہوئے وہ جھجک گئی مگر ماں کی دھمکیوں اور طعنوں نے اسے مجبور کردیا تھا۔

آج وہ بہت اداس تھی بابا کے پوچھنے پر وہ رو پڑی۔

''بیٹا میں اس لڑکے کو دیکھ چکا ہوں بے حد شریف اور خاندانی ہے، مجھے یقین ہے وہ تمہارا ساتھ دے گا۔ میں اس معاملے میں تمہارا ہمنوا ہوں۔'' بابا نے اسے تسلی دیتے ہوئے پیار سے کہا۔

''بابا جانتے بوجھتے کون شریف آدمی مجھے اپنائے گا؟'' پہلی مرتبہ اسے وریشہ کے گھر میں سکون اور اپنائیت ملی تھی پھر اسی لمحے اس کا موبائل بج اٹھا۔

''پتا نہیں کون ہے؟'' اس نے جلدی سے فون کان سے لگالیا۔

''کنول میں شہروز بول رہا ہوں وریشہ کا بھائی میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا صرف ایک سوال ...... کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟'' کنول کو لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہے۔ اس نے بابا کو بھی سنانے کو اسپیکر آن کردیا۔

''دیکھو میں کوئی لمبے چوڑے دعوے نہیں کروں گا صرف وہ چیز تمہیں دوں گا جو تمہارے پاس نہیں یعنی محبت، مان اور عزت اور اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو کل تیار رہنا، میں شام کو تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا اور میری ماں بہن کی موجودگی میں ہمارا نکاح ہوجائے گا۔ تمہاری ماں سے اس لیے رابطہ نہیں کیا کہ وہ تمہاری قیمت لگائے گی اور میں تمہاری عزتِ نفس کو مجروح نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تم انمول ہو بازار میں بکنے والی جنس نہیں؛ تم اچھی طرح سوچ لو اور اسی نمبر پر مجھے جواب دینا۔ تمہارا ہر فیصلہ مجھے منظور ہوگا۔'' کنول کے کان سائیں، سائیں کررہے تھے اور دل تھا کہ قابو میں نہیں آرہا تھا وہ جواب کیا دیتی بابا نے جھپٹ کر موبائل ہاتھ سے لے لیا۔

''بیٹا میں اس کا بابا بول رہا ہوں، مجھے تم پر بھروسا ہے اور پورا یقین ہے اور ہماری طرف سے ہاں سمجھو جب لینے آؤ تو میسج کردینا۔ ہم باہر آجائیں گے۔ میرے ساتھ جانے پر اس کی ماں منع نہیں کرے گی۔'' بابا نے محبت سے کنول کو لپٹا لیا اور رونے لگے۔ کنول کو سب کچھ خواب سا لگ رہا تھا۔

''بیٹا میں تجھے آج بتا رہا ہوں تیری رگوں میں شریف ماں باپ کا خون ہے تجھے چار سال کی عمر میں چنبیلی بائی نے اغوا کیا تھا مگر میں تیری بھولی بھالی معصوم شکل پر ایسا فدا ہوا کہ بیٹی بنا کر تیری ڈھال بن گیا۔ اب تک میں نے تجھے ہر آفت و بلا سے بچایا ہے، تیری عزت و عصمت کی حفاظت کی ہے لیکن آخر کب تک......؟ بیٹا میری ان بوڑھی ہڈیوں میں اب

اتنا دم نہیں کہ ساری زندگی تیری حفاظت کرسکیں۔ بیٹا اس موقع کو مت گنوانا ورنہ ساری عمر پچھتاؤ گی مجھے یقین ہے کہ شہروز اپنے قول پر پورا اترے گا۔''

کنول کو لگ رہا تھا وہ جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ اس وقت چنبیلی بائی کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے آگے عروسی جوڑا اور زیورات رکھتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''کل مغرب کے بعد چوہدری الطاف تجھے لینے آئیں گے تیار رہنا۔ شکر کر کہ وہ تجھے رکھیل نہیں بنا رہے باقاعدہ نکاح کررہے ہیں، میں انکار سننے کی عادی نہیں ہوں بہت تیرے چونچلے اٹھالیے اور ناز برداری کرلی۔ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلا تو میں انگلیاں ٹیڑھی کرنا بھی جانتی ہوں۔ مار مار کے چمڑی اُدھیڑ دوں گی تیری۔'' پھر وہ نخوت سے بابا سے مخاطب ہوئی۔

''یہ تو کس خوشی میں بیٹھا ہے، چل اٹھ کرانے...... سازندوں کو دیکھ آج کنول نہیں شبانہ گائے گی۔ آخر کسی کو تو اس کی جگہ لینی ہے کیونکہ اس کی قیمت لگ چکی ہے۔'' وہ لہراتی بل کھاتی پلٹ گئی بابا نے آنکھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کے پیچھے، پیچھے نکل گئے۔

☆☆☆

کنول خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کررہی تھی بابا نے جو اس کے کانوں میں امرت ٹپکایا تھا اس نے اسے اوجِ ثریا پر پہنچادیا تھا وہ گمنام نہیں تھی اس کی ایک پہچان تھی۔ وہ طوائف زادی نہیں شریف زادی تھی۔ اپنی ماں کی ہم شکل اور وریشہ کی سگی خالہ زاد بہن۔ خالہ، خالو کا بیٹی کی جدائی میں کچھ بعد دیگرے انتقال ہوچکا تھا اور وریشہ کی ماں نے کنول کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ اس کی گم شدہ بھانجی ہی ہے اور بابا نے بھی تصدیق کردی تھی۔ یہ بات جب بابا نے اُسے بتائی تو وہ بے اختیار روتے ہوئے ان سے لپٹ گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ نیک نام ہے،

کہ اماں آپ کو دیکھ لیں......'' کنول کا دل دھک سے ہوگیا...... اس کا مطلب ہے کل کالج میں ہر طرف اس کی رسوائی کے چرچے ہوں گے وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔

''میں آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور میرے گھر والے بھی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ آپ لائقِ تحسین ہیں کہ کوئلوں کی دلالی میں آپ کا دامن صاف رہا...... کنول کیچڑ میں کھل کر بھی کنول کا پھول ہی رہتا ہے، آپ پریشان نہ ہوں میری ماں اور بہن دونوں میری ہمنوا ہیں۔ ہم اس پھول کو کیچڑ میں رُلنے نہیں دیں گے۔''

کنول کو لگ رہا تھا گویا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

''آپ پلیز گاڑی یہیں روک لیں، یہ جگہ آپ کے اور وریشہ کے شایانِ شان نہیں...... پلیز آپ دونوں یہاں سے جلدی چلے جائیں۔''

☆☆☆

جب سے شہروز کی ماں، بہن کو اس کی اصلیت پتا چلی تھی کنول نے تعلیم ادھوری چھوڑ کر خود کو وسیع و عریض گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں قید کرلیا تھا اور چنبیلی بائی اس کے گھر میں رہنے سے بہت خوش تھی؛ زندگی میں پہلی بار تماشائیوں کے سامنے گاتے ہوئے وہ جھجک گئی مگر ماں کی دھمکیوں اور طعنوں نے اسے مجبور کردیا تھا۔

آج وہ بہت اداس تھی بابا کے پوچھنے پر وہ رو پڑی۔

''بیٹا میں اس لڑکے کو دیکھ چکا ہوں بے حد شریف اور خاندانی ہے، مجھے یقین ہے وہ تمہارا ساتھ دے گا۔ میں اس معاملے میں تمہارا ہمنوا ہوں۔'' بابا نے اسے تسلی دیتے ہوئے پیار سے کہا۔

''بابا جانتے بوجھتے کون شریف آدمی مجھے اپنائے گا؟'' پہلی مرتبہ اسے وریشہ کے گھر میں سکون اور اپنائیت ملی تھی پھر اسی لمحے اس کا موبائل بج اٹھا۔

''پتا نہیں کون ہے؟'' اس نے جلدی سے فون کان سے لگالیا۔

''کنول میں شہروز بول رہا ہوں وریشہ کا بھائی میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا صرف ایک سوال ......کیا تم مجھ سے شادی کروگی؟'' کنول کو لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہے۔ اس نے بابا کو بھی سنانے کو اسپیکر آن کردیا۔

''دیکھو میں کوئی لمبے چوڑے دعوے نہیں کروں گا صرف وہ چیز تمہیں دوں گا جو تمہارے پاس نہیں یعنی محبت، مان اور عزت اور اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو کل تیار رہنا، میں شام کو تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا اور میری ماں بہن کی موجودگی میں ہمارا نکاح ہوجائے گا۔ تمہاری ماں سے اس لیے رابطہ نہیں کیا کہ وہ تمہاری قیمت لگائے گی اور میں تمہاری عزتِ نفس کو مجروح نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تم انمول ہو بازار میں بکنے والی جنس نہیں؛ تم اچھی طرح سوچ لو اور اسی نمبر پر مجھے جواب دینا۔ تمہارا ہر فیصلہ مجھے منظور ہوگا۔'' کنول کے کان سائیں، سائیں کررہے تھے اور دل تھا کہ قابو میں نہیں آرہا تھا وہ جواب کیا دیتی بابا نے جھپٹ کر موبائل ہاتھ سے لے لیا۔

''بیٹا میں اس کا بابا بول رہا ہوں، مجھے تم پر بھروسا ہے اور پورا یقین ہے اور ہماری طرف سے ہاں سمجھو جب لینے آؤ تو میسج کردینا۔ ہم باہر آجائیں گے۔ میرے ساتھ جانے پر اس کی ماں منع نہیں کرے گی۔'' بابا نے محبت سے کنول کو لپٹا لیا اور رونے لگے۔ کنول کو سب کچھ خواب سا لگ رہا تھا۔

''بیٹا میں تجھے آج بتا رہا ہوں تیری رگوں میں شریف ماں باپ کا خون ہے تجھے چار سال کی عمر میں چنبیلی بائی نے اغوا کیا تھا مگر میں تیری بھولی بھالی معصوم شکل پر ایسا فدا ہوا کہ بیٹی بنا کر تیری ڈھال بن گیا۔ اب تک میں نے تجھے ہر آفت و بلا سے بچایا ہے، تیری عزت و عصمت کی حفاظت کی ہے لیکن آخر کب تک......؟ بیٹا میری ان بوڑھی ہڈیوں میں اب

اتنا دم نہیں کہ ساری زندگی تیری حفاظت کرسکیں۔ بیٹا اس موقع کو مت گنوانا ورنہ ساری عمر پچھتاؤ گی مجھے یقین ہے کہ شہروز اپنے قول پر پورا اترے گا۔''

کنول کو لگ رہا تھا وہ جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ اس وقت چنبیلی بائی کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے آگے عروسی جوڑا اور زیورات رکھتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''کل مغرب کے بعد چوہدری الطاف تجھے لینے آئیں گے تیار رہنا۔ شکر کر کہ وہ تجھے رکھیل نہیں بنارہے باقاعدہ نکاح کررہے ہیں، میں انکار سننے کی عادی نہیں ہوں بہت تیرے چونچلے اٹھالیے اور ناز برداری کرلی۔ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلا تو میں انگلیاں ٹیڑھی کرنا بھی جانتی ہوں۔ مار مار کے چمڑی اُدھیڑ دوں گی تیری۔'' پھر وہ نخوت سے بابا سے مخاطب ہوئی۔

''یہ تو کس خوشی میں بیٹھا ہے، چل اٹھ کرا ینے... سازندوں کو دیکھ آج کنول نہیں شبانہ گائے گی۔ آخر کسی کو تو اس کی جگہ لینی ہے کیونکہ اس کی قیمت لگ چکی ہے۔'' وہ لہراتی بل کھاتی پلٹ گئی بابا نے آنکھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کے پیچھے، پیچھے نکل گئے۔

☆☆☆

کنول خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کررہی تھی بابا نے جو اس کے کانوں میں امرت ٹپکایا تھا اس نے اسے اوجِ ثریا پر پہنچادیا تھا وہ گمنام نہیں تھی اس کی ایک پہچان تھی۔ وہ طوائف زادی نہیں شریف زادی تھی۔ اپنی ماں کی ہم شکل اور وریشہ کی سگی خالہ زاد بہن۔ خالہ، خالو کا بیٹی کی جدائی میں یکے بعد دیگرے انتقال ہوچکا تھا اور وریشہ کی ماں نے کنول کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ اس کی گم شدہ بھانجی ہی ہے اور بابا نے بھی تصدیق کردی تھی۔ یہ بات جب بابا نے اُسے بتائی تو وہ بے اختیار روتے ہوئے ان سے لپٹ گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ نیک نام ہے،

عزت دار ہے، بابا نے سختی سے منع کیا تھا کہ یہ بات کسی کو کانوں کان معلوم نہیں ہونی چاہیے ورنہ چنبیلی بائی کچھ بھی کر سکتی ہے اور کنول کے لیے گھڑیاں گننی مشکل ہو گئی تھیں۔ اس کا بس نہیں تھا کہ اڑ کر جائے اور اپنی خالہ کی بانہوں میں سما جائے۔

''کیا معجزے ایسے بھی ہوتے ہیں؟'' اس نے حیرت سے سوچا اور بارگاہِ الٰہی میں سر جھکا دیا۔

☆☆☆

''تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے کسی فیصلے پر سر اٹھانے اور احتجاج کرنے کی اپنی اوقات میں رہو......'' وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح دہاڑا......

''وہ مظلوم ہے آج تک اس نے جسم فروشی نہیں کی نہ کسی کے سامنے ناچی۔ صرف گانا گاتی ہے وہ اس ماحول سے فرار چاہتی ہے اور اس لیے میری بیوی بننا چاہتی ہے رکھیل نہیں اور یہی اس کی شرافت کی دلیل ہے۔'' چوہدری الطاف کے پاس بیوی کے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو مظلوموں کی حمایت میں پیچھے نہیں ہٹنا نہ یہی میری عظمت اور شرافت کی دلیل ہے۔''

''واہ، واہ چوہدری صاحب لگتا ہے آپ تو عظمت اور شرافت کے ٹھیکیدار ہیں۔'' زرینہ طنزیہ ہنسی اور چوہدری کے پاؤں سے سر تک آگ سی لگ گئی۔

''اپنا بوتھا بند رکھو ورنہ طلاق دینے میں دیر نہیں کروں گا۔'' کھسیانی بلی کی طرح اس نے زرینہ کو دھکا دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

یہ کنول کی بدقسمتی تھی کہ گاؤں کے کسی مُجرے میں گانے کے لیے چنبیلی زبردستی کنول کو بھی ساتھ لے گئی۔ کنول کی مدھر تانوں اور سُریلی آواز نے چوہدری الطاف کے جذبات میں آگ لگا دی، آواز کے ساتھ اس کے ارمان بھی بہنے لگے، وہ پوری رات گاتی رہی اور چوہدری الطاف اپنے ہی خیالوں میں گم نشۂ عشق میں مبتلا اسے حاصل کرنے کی جستجو کرنے لگا اور پھر کس طرح اس نے چنبیلی بائی کو شیشے میں اتارا یہ اس کا دل ہی جانتا تھا ورنہ وہ کنول جیسی ہیرا کو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے کسی کو سونپ دے ناممکن تھا۔ ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتی تھی اور آج وہ بیس لاکھ کا نذرانہ دے کر اسے حاصل کرنے جا رہا تھا جو وہ ایڈوانس میں دے چکا تھا۔ چنبیلی بائی سونے کا انڈا دینے والی مرغی ایسے ہی تو ذبح نہیں کر رہی تھی، اس نے راستے سے ڈھیر سارے پھل لیے، پھول اور مٹھائی لی آخر سسرال خالی ہاتھ کیسے جاتا......؟

☆☆☆

چوہدری الطاف کے قدم واپسی میں لڑکھڑا رہے تھے لگتا تھا قدموں میں جان ہی نہیں نگاہیں بھی زمیں بوس تھیں اور کنول کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی جب اس نے راستے میں کنول کو دیکھ کر شادی کی گھگھیاتے ہوئے اس سے درخواست کی تو اس نے حقارت سے جواب دیا تھا۔

''معاف کیجیے گا، شادی تو میں ضرور کروں گی لیکن اس سے جو مجھے وہ دے سکتا ہے جو آپ کے پاس نہیں؟''

''میں دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز تمہیں دوں گا، تم ایک بار حامی تو بھرو۔'' وہ بے تابی سے بولا۔

''آپ مجھے وہ چیز کیسے دے سکتے ہیں جو خود آپ کے پاس بھی نہیں اور جو خریدی بھی نہیں جا سکتی۔ طوائف کے کوٹھے پر آنے والا عزت دار ہوتا ہے نہ شریف اور...... میں شادی کسی عزت دار سے کروں گی۔'' یہ کہہ کر کنول نے اس معمولی سے آدمی کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گئی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس طمانچے کی گونج کہاں تک جائے گی اور وہ اپنا بدنما چہرہ کیسے بیوی کے سامنے لے کر جائے گا۔